مسلم اِبلاغی عمل کا تاریخی و تدریجی خاکہ

Historical steps of Muslims communications process

ڈاکٹر محمد ریاض[1]

ABSTRACT

In this article the question is very important that, why modren means of Media be acceptable for today's Islamic State? If not then what can be reason for this? The two described points of this question are indeed gist of this whole discussion. now we explain the reason of each point, the modren means of Mass Communication should be imposed in present Islamic states as if our researching tendencies have been dominated in this aspect ,so in the background of our this opinion is the preliminary chapter of Muslim dHistory from where Islam set out his journey. In that preliminary period, there was neither political-Islam nor practical shape of any state ,but instead of this, the founder of Islam Hazrat Muhammad benefited from the sources of Media that were in vogue in that Time which were not worthy of description. He (Hazrat Muhammad[P.B.U.H]) used to communicate in Markets, fares and various Public Mettings and also used to vist Khan-e-Kaba where the Promulgation of Islam could be in better way, even he (P.B.U.H) opted such places which were reserved for unscrupulous activites (i.e Ball & Contemptible Poetry). That Period was void of writ of state and was full of various sources of Media, and took the shape of foundation of upcoming life of Islam. In latter days after the proper establishment of Islamic State where came forth bright chapter of Political Islam there become prominent the situation of being benefited from media. Though Islamic State remained in touch with various means of media from its creation to till now. In this Article we will try to elaborate that how did Islamic State in her evolutionary process get benefit from Media.

کلیدی الفاظ: مسلم، ابلاغی عمل، جدید ابلاغی روش، حصہ داری، تدریجی عمل، ذرائع ابلاغ

انسان کا سب سے کمال ہنر اس دنیا کی موشگافیاں ہیں۔ اس کو آج اگر عروج ملا ہے تو اس کے پس پردہ مسلسل چھان بین، جستجو، تحقیق اور کھوج ہے۔ جبکہ محنت، لگن، مشقّت اور شوق یہ چار اصول جب انسانی زندگی میں نمایاں خصوصیات کے طور پر ظاہر ہوئے تو وہ سائنس دان بنا، وہ صنعت کار بنا، وہ تخلیق کار بنا یہاں تک کہ وہ دُنیا کو باخبر رکھنے کے شوق میں جدید ذرائع ابلاغ کا موجد کار بھی

---

[1] اُستاذ شعبہ علوم اسلامی، کلیہ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی

بنا۔آج جبکہ وہ جدید ٹیکنالوجی سے پوری طرح مستفیض ہے تو دوسری جانب ان جدید آلات کے اثرات سے مبرّ ابھی نہیں ہے۔ وہ ابلاغ زدہ ہو کر رہ گیا ہے۔ اُس نے اپنے سماج کی نبض تو پکڑلی لیکن وہ خود اُن آلات کا شکار ہو گیا جو اُس نے اپنے ہاتھوں سے تخلیق کئے ہیں۔آج ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی زندگی کے دونوں گوشے خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، ذرائع ابلاغ سے بُری طرح متاثر ہیں، نہ صرف انسانی زندگی میں واضح اثرات ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں بلکہ ان کے اثرات سے وقوع پذیر ہونے والے واقعات معاشرتی تبدّل وتغیر کا سبب بھی بنتے ہیں۔آج یہ انسانی اذہان کی تربیت میں مُخل واقع ہوتے ہیں، فکری رجحان کو منجمد کر دیتے ہیں، باغیانہ سوچ پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ مذہب جیسے اعتقادی اُمر کی جڑیں کھوکھلی کرنے کا سامان بھی فراہم کرتے ہیں۔ یہ جدید ذرائع ابلاغ کا ایک پہلو ہے۔ دوسرے پہلو کی طرف نظر کریں تو یہ شعوری بڑھوتری کا سب سے اہم ذریعہ ہیں۔ معلوماتِ عامہ تک رسائی دیتے ہیں، دین و دنیا دونوں سے مستفیض ہونے کا طریقہ بھی انہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور اگر مذہب کی ترویج وتشہیر کی بات کریں تو جدید زمانے میں ان سے زیادہ مفید آلات کیا ہوسکتے ہیں۔ خاص طور پر مذہب اسلام جو اپنے وجود سے لے کر اب تک ابلاغ وتبلیغ کا بہت بڑا داعی رہا ہے، کیونکر اس جدید مہارت سے محروم رہ سکتا ہے۔ موجودہ دنیا میں اسلام چونکہ سب سے بڑا تبلیغی مذہب کے طور پر اُبھر رہا ہے تو اس کے خلاف پروپیگنڈوں کا ہونا یقینی اُمر ہے۔ اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ جدید ذرائع ابلاغ کی شہ پر پوری کی پوری مسلم آبادی کو دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے۔ یہاں پر یہ کہنا مناسب رہے گا کہ کہیں نہ کہیں اس عمل کے پسِ پردہ ذرائع ابلاغ کا بڑا کردار رہا ہے اور اس کے ذمہ داری کہیں نہ کہیں مسلمان ریاستوں کے حکمران اور مقتدر حضرات بھی ہیں۔ اگر یہ حکمران ذرائع ابلاغ کی اہمیت کا درک کرتے تو آج اسلام اور اسلامی ریاست کو شدید مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ ایک طرف پروپیگنڈہ مشنری ہے جس کا کل وقتی زور اسلام اور مسلمان ریاستوں کو دہشت قرار دینے پر ہے جبکہ دوسری طرف خوابِ غفلت میں پڑے مسلم دانشور، حکمران، علماء اور جہاندیدہ حضرات ہیں جو ابھی روایتی ابلاغ سے باہر ہی نہیں نکلے، یوں اسلامی ریاست کو شدید قسم کی مسابقت کا سامنا ہے جس کا ادراک غالباً ہر قابلِ فہم شخص کو ہے۔

یہاں پر یہ سوال بہت اہم ہے کہ آج کی اسلامی ریاستوں کیلئے جدید ابلاغی جہتیں کیونکر قابلِ قبول ہوں اور اگر نہیں تو اس کی وجوہات کیا ہوسکتی ہیں؟ اس سوال میں بیان کئے گئے دو گوشے (قبول کرنے اور نہ کرنے کی وجوہات) دراصل اس پوری گفتگو کا محاصل ہے۔ اب ہم ان میں سے ہر ایک گوشے کی توجیہ بیان کرتے ہیں۔ موجودہ اسلامی ریاستوں میں جدید ابلاغی جہتیں رائج ہونی چاہئیں جیسا کہ ہمارا تحقیقی رجحان (پی ایچ ڈی مقالہ میں) بھی اس پہلو کی طرف غالب رہا ہے تو ہماری اس رائے کے پسِ پردہ مسلم تاریخ کا وہ مقدماتی باب ہے جہاں سے اسلام نے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔ اس اولین دور میں نہ سیاسی اسلام کا ظہور ہوا تھا اور نہ ہی ریاست کی کوئی عملی شکل تھی۔ لیکن اس کے باوجود اسلام کے بانی حضرت محمد ﷺ نے رائج الوقت ذرائع ابلاغ کا سہارا لیا اور اُس وقت کی ابلاغی جہتیں جو کسی قدر قابل ذکر بھی نہ تھیں وہ تمام آپ ﷺ کے دسترس میں رہیں۔ آپ ﷺ بازاروں میں ابلاغ کرتے، میلے اور اجتماعات میں ابلاغ کرتے، خانہ خدا کا رُخ کرتے کہ وہاں اسلام کا ابلاغ بہتر انداز میں ہوسکتا تھا، یہاں تک کہ اُن

جگہوں کا انتخاب بھی کیا جو لغویات (ناچ گانا، شعر و شاعری، تفریح) کیلئے مخصوص تھیں۔(۱) یہ دورانیہ جو ریاستی عملداری سے خالی اور ابلاغی صنف سے بھرپور تھا، اسلام کی آئندہ زندگی کیلئے مبادیات کی حیثیت اختیار کر گیا۔ بعد کے دنوں میں اسلامی ریاست کے باقاعدہ قیام کے بعد جہاں سیاسی اسلام کا روشن ترین باب سامنے آیا وہیں ذرائع ابلاغ سے استفادہ کی کیفیت نمایاں نظر آنے لگی۔ گویا اسلامی ریاست اپنے وجود سے لے کر اب تک ابلاغی جہتوں سے متمسک رہی ہے۔ وہ نہ صرف ابلاغی ذرائع سے اپنا تعلق برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئی بلکہ جس دین کی نمائندگی کے طور پر انہوں نے خود کو ظاہر کیا اس کی تشہیر و ترویج کیلئے بھی اس پہلو کا خوب خوب استعمال کیا۔ بحث کو آگے بڑھانے سے قبل ہم یہاں مسلم ریاستی عمل کا ایک خاکہ پیش کرتے ہیں بعد ازاں اصل مدعا کے اظہار کیلئے ذرائع ابلاغ کی عصری روش کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اسلامی ریاست کا تدریجی عمل:

لفظ ''مسلم'' کا اطلاق ہر اُس شخص پر ہوتا ہے جو اپنے آپ کو عملاً اور ضمناً پیغمبر اسلام ﷺ کی شریعتِ مطہرہ کا پابند سمجھتا ہے اور یہ اطلاقیت نہ صرف شرعی اعتبار سے اُس شخص کی زندگی پر منطبق ہوتی ہے بلکہ سماجی، سیاسی، معاشی اور عائلی اعتبار سے بھی ہر پہلو کا احاطہ کرتی ہے۔ لہٰذا دورِ جدید میں مسلم، مسلمان، مسلم اُمہ جیسی اصطلاحیں اُن تمام افراد پر منطبق ہونگی جو قولاً وفعلاً یا صرف قولاً پیغمبر اسلام ﷺ کی شریعتِ مطہرہ سے منسلک ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس بات کی تصدیق یا مشاہدہ ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' جیسے بنیادی کلمات سے کیا جاسکتا ہے۔ عصری دنیا کے تمام مسلمانوں کو ہم اسی قاعدہ کلیہ کے تحت اسلامی ریاست کی رعایا سمجھیں گے۔ جبکہ بذاتِ خود اسلامی ریاست کو شناخت دینے کیلئے ہمیں ماضی کے اُن ادوار کی ہلکی سی جھلک بھی سامنے رکھنا ہوگی جو اسلامی ریاست، خلافت، ملوکیت و سلطنت کے طور پر معروف تھے۔ ہمارے پیش نگاہ یہ ادوار چھ ہیں:

1۔ مدینہ کی اسلامی ریاست [پیغمبر اسلام ﷺ کی مدنی زندگی کا درخشاں پہلو]
2۔ خلافتِ راشدہ [اسلامی سیاست و ریاست کا نیا باب]
3۔ عہدِ بنو اُمیہ [اسلامی سیاسی نظام میں مزید تبدیلی اور نئی سیاسی روش کا ظہور]
4۔ عہدِ بنو عباس [سیاسی نظام میں بالغ نظری اور علوم و فنون کا عروج]
5۔ عہد بنو فاطمیہ [جو فاطمینِ مصر کے نام سے معروف ہیں]
6۔ سلطنتِ عثمانیہ [مسلم سیاسی زوال کا دور]

پیغمبر اسلام ﷺ نے جب ریاستِ مدینہ کی بنیاد رکھی تو آس پاس کی مملکتیں جیسے ایرانی، یونانی، شامی، عراقی اور افریقی اس ریاست کی شہرت سے آگاہ ہوئیں۔ ان مملکتوں کے حکمران اس تگ و دو میں رہتے تھے کہ اسلامی ریاست کے نام سے قائم مملکت کے شب و روز کیا ہیں، نظامِ حکمرانی کے خدوخال اور اس میں رائج دساتیر کی مجموعی ہیئت کیا ہے۔ وہ ان معلومات سے آگاہی کیلئے وفود

روانہ کرتے تھے جو رائج الوقت ذرائع ابلاغ کا سب سے اہم شعبہ تھا۔ وقائع نگاروں نے ان وفود کی تعداد ساٹھ بتائی ہے جو مدینہ عازمِ سفر ہوئے تھے۔(۲) یہ وفود اسلامی ریاست کے سربراہ سے ملاقات کرتے، احوال پُرسی کے علاوہ ریاستی اُمور سے متعلق معلومات حاصل کرتے بعدازاں وطن واپس جاکر اپنے حکمرانوں کو اُس طرزِ عمل سے آگاہ کرتے یعنی براہِ راست مشاہدہ کئے گئے احوالِ واقعی کی رپورٹنگ اس نہج پر کرتے کہ اسلامی ریاست کا ہر پہلو تفسیری و تعمیری انداز میں واضح ہوجاتا۔ چونکہ یہ تمام اقدامات اسلامی ریاست کی معاصر حکومتوں کی طرف سے انجام دیئے جارہے تھے اس لئے اسلامی ریاست کیلئے بھی اقدامی جواب ضروری تھا۔

پیغمبر اسلام ﷺ کو رائج الوقت ذرائع ابلاغ کی عمومی روش کا گہرا ادراک تھا اس لئے آپ ﷺ نے بھی اُسی انداز کو اختیار کیا جس کے منہج پر باقی ریاستیں چل رہی تھیں۔ یہاں پر یہ کہنا زیادہ مناسب رہے گا اور مسلمانوں کا دعویٰ بھی ہے کہ دیگر دنیاوی واُخروی اُمور کی طرح سیاسی شعبے کے بانی حضرت محمد ﷺ اپنے ابلاغی موقف میں بھی خاصا معروف تھے۔ مختصر سی مدت میں آپ ﷺ نے سیاسی اسلام کی تشریح وتوضیح کے ساتھ ساتھ اسلام کی عملی تفسیر بھی بیان کردی اور آپ ﷺ کا ابلاغی موقف دنیا کے سامنے مضبوط اور موثر ترین صنف کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس لئے یہ کہنا تجاہلِ عارفانہ ہوگا کہ اسلامی ریاست اپنے آغاز میں ذرائع ابلاغ سے آشنا نہیں تھی۔

جیسا کہ ہم نے اپنے پی ایچ ڈی مقالہ میں ذکر کیا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی دو پہلو (مکی و مدنی) پر مشتمل زندگی میں ذرائع ابلاغ سے استفادہ بھرپور طریقے سے دیکھا گیا۔ ابلاغی روش کا گہرا مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے منفی پہلو کا توڑ بھی مثبت انداز میں تلاش کیا گیا۔ ریاست کے عمومی حالات سے باخبر رہنے کیلئے احوالِ پُرسی، اجتماعات، ملاقاتیں، عیادتیں، سلام و دعا جیسی مسنون اسلامی اقدار کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ تبلیغ و ترسیل، تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفس جیسی روحانی اصطلاحیں اس لئے وضع ہوئیں تاکہ اسلامی معاشرتی نظام کو باکمال افراد کی دستیابی آسانی سے ممکن ہو۔ معاصر ریاستیں چونکہ یہ تمام اصلاحی پہلو دیکھ رہی تھیں اس لئے اُن کیلئے انکار کرنا ممکن نہ تھا البتہ زبانی کلامی اپنے نزاع کا اظہار ضرور کرتیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اِکا دُکا ریاستوں کے علاوہ کسی بڑی ریاست نے براہِ راست پیغمبر اسلام ﷺ سے جنگ کی ہمت نہیں کی۔ اس وقت کی ایک بڑی طاقت رومی سلطنت تھی۔ تاریخ اسلام میں جنگ موتہ کے نام سے معروف معرکہ انہی کے خلاف لڑا گیا۔ دورِ جدید کی عالمی طاقتوں کی طرح رومن سلطنت کو بھی یہ زعم تھا کہ اسلامی ریاست کی مبادی حیثیت کو تہس نہس کیا جاسکتا ہے۔ ایک طرح سے ان کا یہ عمل حفظ ما تقدم کے طور پر تھا کہ کہیں اسلامی ریاست کی روز افزوں ترقی ان کی نابودی کا سبب نہ بن جائے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی میں اس جنگ کا فیصلہ نہ ہوسکا۔ آپ ﷺ کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد رومن سلطنت مسلمانوں کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہوئی۔ ایک دوسری بڑی طاقت یونانی سلطنت تھی۔

عالمی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس ریاست کے حاکم نے پیغمبر اسلام ﷺ کے قاصد کو قتل کردیا تھا۔ جبکہ اسلامی ریاست کو تخت و تاراج کرنے کی دھمکی دی تھی۔ مسلمانوں تک خبریں پہنچ رہی تھی۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے دونوں اقدامی صورتوں (مقتول قاصد کا بدلہ اور ریاست کی نگہداشت وحفاظت) کو سامنے رکھ کر فوج کو منظم ہونے کا حکم دیا۔ شدید گرمی اور قحط سالی کے باوجود مسلمانوں کا لشکر عازمِ سفر ہوا۔ مقررہ مقام (تبوک) پر پہنچ کر مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ خبر جس کا ابلاغی پہلو غیر مصدقہ اور پروپیگنڈہ مہم پر

مبنی تھا، جھوٹ تھی۔ (۳) ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تمام اقدامات اور رائج الوقت ذرائع ابلاغ سے استفادہ کلی طور پر ایک ریاست کی حفاظت اور بڑھوتری کیلئے تھے۔ بطور ریاست اس نے باقاعدہ منظم ہونے کا ثبوت دیا، اصحاب و انصار کی شکل میں رعایا میسر آئی۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی صورت میں ایک رہنما و رہبر اور حاکم موجود تھا۔ یہ ممکن ہے کہ اُس ریاست کی ابلاغی روش زیادہ وسیع اور جدیدیت پر مبنی نہ ہو یا معاصر ریاستوں کی طرح زیادہ فعال اور وسیع النظر کی حامل نہ ہو، تاہم یہ حقیقت ہے کہ اسلام کے اولین دور میں ریاست باقاعدہ صورت میں موجود تھی۔ حاکم و رہبر، رعایا اور ابلاغی جہتیں (جس کا اطلاق عبادات و معاملات، سیاسیات و سماجیات جیسے تمام قسم کے موضوعات پر ہوسکتا ہے) معاصر ریاستوں کی طرح رائج تھیں۔ البتہ اسلامی ریاست کی ابلاغی روش تیز و تند اور منفی پروپیگنڈہ مہم پر مبنی ہونے کے بجائے ناصحانہ، مصلحانہ اور عالمانہ انداز کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اُس وقت کی بڑی طاقتیں منظم ابلاغی نظام رکھنے کے باوجود اسلام کے داعیانہ اسلوب کو نہ روک سکی۔ مختصر سے عرصے میں ہی اسلام کا دائرہ کار بہت سی ریاستوں تک پھیل گیا۔ بہت زیادہ مسلمانیت کی نشاندہی کئے بغیر ہم صرف اشارتاً ذکر کریں گے کہ ریاست کی وضعی ہیئت اور اس کے نتیجے میں نظام سیاسی کا معرضِ وجود میں آنا دراصل اسلامی ریاست کا باقاعدہ آغاز تھا۔ ہر وہ فرد جس نے پیغمبر اسلام ﷺ کی آواز پر لبیک کہا، اطاعت کی خواہش ظاہر کی اور دینِ اسلام کو اپنے لئے انتخاب کیا وہ پہلی اسلامی ریاست کا باشندہ اور رعایا کا مستحق قرار پایا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے مدنی دور کو پہلی اسلامی ریاست قرار دیتے ہوئے اس بات کی نشاندہی بھی ضروری ہے کہ ریاست کا ابلاغی نظم و نسق اور اُس کی روش رائج الوقت ذرائع ابلاغ سے قدرے مختلف تھی۔ جیسا کہ ہم نے اپنے مقالہ میں بیان کیا ہے کہ قریش کے ہاں سالانہ میلے بہت بڑے ابلاغی عنصر تھے۔ جبکہ صفاء کی معروف پہاڑی ان کے پیغام کی ترسیل کا اہم ذریعہ تھی۔ وہ لوگ اخلاقی قدروں سے بے نیاز ہو کر ناچ گانا، شاعری اور عریاں جسم کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف اور صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہوتے تھے۔ (۴) پیغمبر اسلام ﷺ نے ابلاغ کا طریقہ وہی استعمال کیا، لیکن اس میں جدت پیدا کرتے ہوئے لغویات و اخلاقیات سے عاری اُمور سے اجتناب کیا۔ وہ تمام جگہیں جو عرب خاندانی فخر و مباہات، شعر و شاعری اور دیگر عنوانات کیلئے استعمال کرتے تھے، پیغمبر اسلام ﷺ نے ان کو دینِ اسلام کی تبلیغ و ترسیل کیلئے استعمال کیا۔ جبکہ ذرائع ابلاغ کی بگڑی ہوئی روش جو کسی بھی طور اسلام اور بانی اسلام کے حق میں نہیں تھی، اُس کا رجحان اسلامی نظریات کی ترویج کی طرف کر دیا۔ لہٰذا اسلامی ریاست کے قیام سے قبل ذرائع ابلاغ کی عمومی روش معاندانہ تھی لیکن ریاست کے قیام کے بعد عمومی ماحول کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ کی روش بھی اسلامیانہ ہوگئی اور پیغمبر اسلام ﷺ کو بھرپور موقع ملا کہ وہ اسلامی ریاست کے استحکام کیلئے عملی اقدامات بروئے کار لائیں۔

خلافتِ راشدہ کا قیام اسلامی نظام سیاسی کی ترقی کی طرف دوسرا بڑا قدم تھا۔ مسلمانوں کی سیاسی بالغ نظری ایک نئی منزل سے آشنا ہوئی۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی اطاعت کے نتیجے میں نئے نظامِ سیاسی کا معرضِ وجود میں آنا اس بات کی دلیل تھی کہ مسلمان نہ صرف جدید حالات سے مطابقت رکھتے ہیں بلکہ آئندہ مستقبل میں رہبری و رہنمائی کیلئے بھی تیار ہیں۔ نظامِ مملکت کیلئے ضروری لوازمات کی باقاعدہ تنظیم اسی دور میں ہوئی جبکہ شوریٰ جیسے اسلامی سیاسی اصول کی دریافت بھی اسی خلافت راشدہ نظام کے نتیجے میں

ہوئی۔خلفائے راشدینؓ چونکہ براہِ راست پیغمبر اسلام ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اس لئے ان کے اعمال و افعال اور اقوال تینوں اسلامی تعلیمات سے مزین تھے۔ بجا طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ خلفائے راشدینؓ کے دور میں اسلامی ریاست کو ایک اور نئی جہت ملی جبکہ حدودِ اربعہ بھی کافی پھیلا۔ یہاں اس بات کی نشاندہی بھی ضروری ہے کہ خلافتِ راشدہ میں جس طرح سیاسی بالغ نظری اور سماجی شعور کی ترقی یافتہ شکل نظر آئی بالکل اُسی طرح ابلاغی جہت کو نئی روش ملی۔ ابلاغی عمل پیغمبر اسلام ﷺ کے دور میں محدود پیمانے پر تھا، خلافت راشدہ کے دور میں اس کی وسعت ایران، بازنطینہ (یونان)، بربر، روم وغیرہ تک پھیل گئی۔ خود اسلامی ریاست کے دارالخلافہ مدینے میں علمی سرگرمیاں جو رائج الوقت ابلاغی روش کی بہترین نمونہ تھیں بہت عروج پر رہیں۔ مشہور قرآنی ماہر عبداللہ بن عباسؓ جو خلافت راشدہ کے دور میں بہت بڑے معلّم کے طور پر جانے جاتے تھے اور ابلاغ کے بہت بڑے داعی کے طور پر بھی شناخت رکھتے تھے، روزانہ الگ الگ مضامین (قرآن، حدیث، صرف و نحو، فقہ وغیرہ) کی تدریس ان کی خاص صفت تھی۔ (۵) جدید ابلاغی ہیئت کی مثل نہ صحیح لیکن تدریس و ترسیل کی مجموعی ہیئت دیکھ کر یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ یہ طریقہ کار اپنے زمانے کا سب سے موثر اور انسانی ذہن کی تبدیلی کا بڑا محرک تھا۔ مسلمان حاکم، مسلمان رعایا، مسلمان منتظمین اور مسلمان سفراء یہ تمام ریاست کے اراکین کی حیثیت سے خارج میں وجود رکھتے تھے، لامحالہ ان کی ذمہ داریوں کی روشنی میں اسلامی ریاست کی نشاندہی اور سیاسی استحکام کا ایک اور ثبوت مل جاتا ہے۔

مسلمانوں کی چودہ سو سال کی طویل تاریخ میں انہی دو ادوار کو خالص اسلامی اور مسلمانوں کیلئے فائدہ مند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اول: مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست، جس کے سربراہ پیغمبر اسلام ﷺ تھے اور آپ ﷺ کی نگرانی میں ہی یہ نظام پایہ تکمیل تک پہنچا۔

ثانی: خلافت راشدہ، اگرچہ اس دور میں پیغمبر اسلام ﷺ کا وجود نہ تھا تاہم آپ ﷺ کی طرف سے تفویض کردہ تعلیمات کے اثرات اور آپ ﷺ کے تربیت یافتہ افراد موجود تھے اس لئے اس نظام حکومت میں بھی اسلامی وضع قطع نمایاں طور پر دیکھی گئی۔ لامحالہ اس دعویٰ کے نتیجے میں یہ بھی اقرار کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ عوام الناس ان دونوں ادوار میں بہترین اسلامی و دنیاوی زندگی گزارنے میں آزاد اور مشتاق تھے۔ مسلمان مفکرین کے نزدیک یہ دونوں ادوار انسانیت کیلئے بالخصوص مسلمانوں کیلئے نمونہ عمل تھے۔ طرزِ معاشرت کی واضح تمثیل، حق و انصاف کی بروقت فراہمی، مظلوم و مقہور افراد کی دادرسی، امن و امان کا قیام، نظام زندگی اختیار کرنے کی پوری آزادی جیسے اُمور ان دونوں نظامِ حکومت کی اعلیٰ صفات کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔ (۶) البتہ خلافت راشدہ کے بعد اسلامی مملکتوں میں نظامِ حکومت میں یکسر تبدیلی آگئی۔ جو سیاسی و شورائی نظام خلافت کے نام سے جاری و ساری تھا، ملوکیت و سلطنت میں تبدیل ہو گیا۔ (۷)

اُموی، عباسی اور فاطمی سلطنتیں اسلامی نظام حکمرانی کی دعویدار ہونے کے باوجود اُس اسلامی شناخت کا دفاع نہ کر سکیں جس کا آغاز پیغمبر اسلام ﷺ اور خلفائے راشدینؓ نے کیا تھا۔ شورائی نظام نظر انداز رہا، ملوکیت و موروثیت پروان چڑھی جبکہ ایک حاکم

کیلئے ضروری دینی وصف متروک ہوگئی۔ تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دینی و اخلاقی کمزوریوں کے باوجود ان ادوار میں فنی، علمی اور ابلاغی رجحان غالب رہا۔ قطع نظر اس کے کہ سیاسی نظام درست تھا یا غلط لیکن ملوکیت و موروثیت کے سائے تلے ان ادوار میں اسلامی ریاست یا سلطنت کی شناخت ہمیں واضح نظر آتی ہے۔ ان ادوار کے تمام حکمران خود کو اسلام اور مسلمان رعایا کے حاکم سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دو الگ الگ نظام کی موجودگی کے باوجود ان ادوار میں اسلامی ریاست کی نشاندہی کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ شورائی نظام جس میں ابتدائی اسلامی ریاست کے خدوخال اور خلافت راشدہ شامل ہیں کو ہم مزاج انسانی کے موافق سمجھتے ہوئے طرزِ حکمرانی کا نیا اسلوب قرار دیتے ہیں جبکہ ملوکیت و موروثیت کو سیاسی پیش رفت قرار دیتے ہوئے نظامِ حکمرانی کی دوسری بڑی کامیاب گردانتے ہیں۔ ملوکیتی و موروثی حکومتوں کی وضعی ہیئت کو اسلامی قرار دینے کی ایک اور اہم وجہ ان کی معاصر ریاستیں تھیں جو انہیں اسلامی عنوان سے شناخت رکھتی تھیں۔ ریاستی نظم و نسق میں ان کی انفرادی شناخت تو پہلے سے ہی تھی تاہم علوم وفنون میں بھی اسلامی ریاستیں دیگر ریاستوں کیلئے نشانِ راہ بن گئیں۔ دوردراز علاقوں کے ماہرین اس اُمید پر ان ریاستوں کی طرف رُخ کرتے تھے کہ وہاں ان کی علمی قابلیت کے مطابق اعزاز وافتخار سے نوازا جاتا تھا۔(۸) ہم دیکھتے ہیں کہ ان ادوار خاص طور پر عباسی دور میں ہندوستان جیسے دوردراز مملکتوں سے بھی ماہرین فن آتے تھے اور اپنے ہنر کی داد حاصل کرتے تھے۔ بطور مجموعی ان مملکتوں اور سلطنتوں میں علمی و ابلاغی رجحان عروج پر تھا۔ تمام ماہرینِ فن اسلامی ریاست کے زیرِ نگیں ہوتے تھے حالانکہ ان ماہرین میں سے بعض کا تعلق مسلم قوم سے نہ تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنے ہنر کا تمام تر استعمال مسلم ریاست کیلئے کرتے تھے۔(۹) حاکمِ مطلق کی تعیناتی سے لے کر ریاستی نظم وضبط تک کی تمام سرگرمیاں دراصل اسلامی ریاست کی مکمل نشاندہی کرتی ہیں۔ ایک طاقت ور ریاست کا مشاہدہ ان سلطنتوں میں بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ یہ مملکتیں معاصر ریاستوں کی طرح سیاسی نظم وضبط کی حامل ہوتی تھیں اس لئے سیاسی اُمور کی طرح دیگر شعبہ ہائے زندگی پر بھی ان کی گرفت کافی مضبوط ہوتی تھی۔ ان سلطنتوں کے دورِ عروج میں جہاں علم وتمدن کو پھیلانے کا بھرپور مظاہرہ کیا گیا وہی اپنے موقف کی ترسیل اور ریاست کے خلاف سازش کے ہر پہلو کا بھی بڑی خوبصورتی سے مقابلہ کیا گیا۔ عصر حاضر کی طرح ابلاغی مزاحمت یا مداخلت کا زور بہت زیادہ نہیں تھا۔ تحریری ابلاغ بامِ عروج پر ہونے کے باوجود صرف دینی و سیاسی مقاصد کیلئے استعمال کیا جاتا تھا۔ چونکہ مسلم ریاستوں کے ماہرین اس فن سے بخوبی واقف تھے اس لئے اگر کسی معاصر ریاست کی طرف سے کوئی اقدام اٹھایا بھی گیا تو اس کا بھرپور جواب اُن کے پاس موجود تھا۔ لہٰذا ان مملکتوں میں رائج ذرائع ابلاغ کی روش اگر دوستانہ نہ تھی تو پھر معاندانہ بھی نہ تھی۔ ان مملکتوں نے اپنی ترقی کے بل بوتے پر کسی مخالف مملکت کو یہ موقع فراہم نہیں کیا کہ وہ اسلامی ریاست کے خلاف پروپیگنڈہ مہم کا آغاز کرے۔ معاصر سرگرمیوں میں سب سے اہم سرگرمی تعلیم وتعلّم کا حصول تھا۔ مسلمان ریاستوں کے باسی تعلیم وتعلّم کے سلسلے میں بڑے حریص واقع ہوئے تھے۔ انہوں نے ہر وہ علم وفن کو اپنایا جو شخصی و اجتماعی زندگی کیلئے کارآمد ہوسکتا تھا۔ علمی گرفت کے نتیجے میں کسی دوسری ریاست کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ اسلامی مملکت یا ریاست کو پروپیگنڈہ مہم کا شکار بنائے۔ تاریخی شواہد کے تناظر میں ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ ان ادوار میں ذرائع ابلاغ کی عمومی روش مسلم ریاست کے حق میں تھی۔ معاصر قوتوں کے خلاف اسلامی

ریاست کا مقابلہ میدانِ جنگ میں ہی تھا۔فکری اور نظری یلغار اس قدر مضبوط نہیں تھی کہ مسلم ریاست کو انتشار و افتراق کا سامنا کرنا پڑے۔ذرائع ابلاغ کے کمزور کردار کا ایک اور پہلو موروثی و شخصی حکومتوں کا پے در پے قیام تھا۔تنقیدی و تحلیلی فضا نہ ہونے کے سبب فرد واحد اپنی مرضی و منشا کے مطابق نظام حکمرانی ہاتھ میں لے لیتا تھا بعد ازاں اس نظام کو اپنی نسل کی طرف منتقل کرتا تھا۔بہرحال ریاستی نظم و نسق کی نوعیت کچھ بھی ہو یہ حقیقت اپنی جگہ درست ہے کہ اسلامی ریاست کے نام سے قائم سلطنتوں میں سیاسی اُتار چڑھاؤ ہر دور میں رہا،اختلافات و انتشارات کے مشاہدات بھی ملاحظہ ہوئے لیکن ایک پہلو جو ہمیشہ منتظم طور پر موجود رہا وہ اسلامی ریاست کی شناخت اور رائج الوقت ذرائع ابلاغ سے بھرپور استفادہ تھا۔

ہماری اب تک کی بحث اسلامی ریاست اور اس کے وجود کے سلسلے میں تھی۔اپنی گفتگو میں ہم نے یہ وضاحت کرنے کی کوشش کی کہ مدینہ کی اسلامی ریاست اور خلافت راشدہ کے بعد حاکم وقت کیلئے دینی وصف جیسی خاصیت متروک ہوگئی صرف سیاسی تناظر کی اہلیت کو ہی حرفِ آخر سمجھا گیا۔چار معروف سلطنتوں کی مثال دیتے ہوئے اس بات کی نشاندہی کی کہ دینی و اخلاقی اعتبار سے کمزور ہونے کے باوجود ان سلطنتوں کے حکمران خود کو مسلم رعایا کا حاکم سمجھتے تھے۔البتہ ان حکمرانوں کے ادوار میں جہاں اسلامی ریاست کی سرحدوں کی وسعت میں اضافہ ہوا وہی تعلیمی رجحان بھی اچھا خاصا بڑھا۔جبکہ علوم و فنون کو بھی بامِ عروج تک پہنچایا گیا۔اب جبکہ اس وضاحت کے بعد کہ چھ مختلف ادوار میں اسلامی ریاست کا وجود قائم تھا یہاں پر ہم موضوع بحث کو سمیٹے ہوئے مختصراً ذکر کرتے ہیں کہ بات پہلی اسلامی ریاست کی ہو،خلافتِ راشدہ کی ہو یا بعد کی چار معروف سلطنتوں کی ہر نظامِ حکمرانی میں ذرائع ابلاغ کی روش تعمیری اور توسیع پسندانہ تھی۔ذرائع ابلاغ کی طرف سے اِکا دُکا سازشی نظریات اگر قائم ہوئے بھی تو ان کا موثر جواب اسلامی ریاستوں کے پاس موجود تھا۔لہٰذا شروع کی اسلامی ریاست میں ذرائع ابلاغ حریف نہیں بلکہ حلیف تھے،تخریب کار نہیں تعمیری تھے، مفسد نہیں مصلح تھے۔اس تاریخی ثبوت کی موجودگی میں جدید اسلامی ریاست کیلئے ممکن نہیں ہے کہ وہ ذرائع ابلاغ کو قبول کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرے۔بلکہ آج کا ہر جدید ابلاغی پہلو اسلامی کی تبلیغ و ترویج اور تشہیر میں بھرپور معاونت بن سکتا ہے۔تاہم اس تلخ حقیقت کو قبول کرنا ہوگا کہ آج بھی اسلامی ریاستیں جدید ابلاغی مناہج کو بروئے کار لانے کی بجائے روایتی طرزِ ابلاغ پر اکتفاء کئے بیٹھی ہیں۔اس کی وجہ جیسا کہ ہم آئندہ سطور میں بیان کریں گے کہ ذرائع ابلاغ مخرب الاخلاق اُمور کی تشہیر کا ذریعہ بنتے ہیں۔جبکہ باطل عقائد کی ترویج بھی ان ذرائع کے توسط سے انجام پانے والا سریع الحرکت عمل ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ مسلم ریاست کے دانشوروں کی اکثریت اگرچہ جدید ذرائع ابلاغ کی افادیت کو تسلیم کرتی ہے تاہم ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو صرف اسی اُمر کو کہ ذرائع ابلاغ مخرب الاخلاق اُمور کی تشہیر کرتے ہیں کو جواز بنا کر ان کی حرمت کا قائل ہے۔

اب دوسرے گوشے کی طرف اشارہ کرتے ہیں جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں ذکر کیا کہ اسلامی ریاست کیلئے ذرائع ابلاغ قابلِ قبول ہیں اور اس کے دعویٰ کے ضمن میں ایک تاریخی حوالہ بھی دیا اور یہ وضاحت کرنے کی کوشش کی کہ اسلامی ریاست کی درجہ بدرجہ ترقی کے ساتھ ابلاغ سے استفادہ کی مثالیں کثرت سے مشاہدہ کی گئیں۔لیکن سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ اگر اسلامی ریاست ابلاغی

جہتیں قبول نہیں کرتی ہے تو پھر کیا وجوہات ہوسکتی ہیں۔ ذیل میں ہم دو وجوہات کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور بعدازاں جدید ابلاغی اُمور کی نشاندہی کرتے ہوئے موضوع بحث کو سمیٹ لیتے ہیں۔ اولین وجہ جو ذرائع ابلاغ کی قبولیت میں رکاوٹ بن سکتی ہے وہ مسلمانوں کے ہاں رائج روایتی طرزِ ابلاغ کا اثر ورسوخ ہے۔ اسلامی ریاست کے ذمہ داروں نے روایتی ابلاغ کو ایک فرض سمجھ کر زندہ رکھا۔ قرآنی رموز واوقاف، احادیث کی باریکیاں اور تاریخی وقائع اس نوع کی واضح ترین مثالیں ہیں۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی ریاست اگر جدید ابلاغیات کو قبول نہیں کرتی ہے یا متوجہ نہیں ہوتی ہے تو اس کے پس پردہ روایتی طرزِ ابلاغ کے اثرات ہوسکتے ہیں۔ جبکہ دوسری وجہ جدید ذرائع ابلاغ کا وہ مخرب الاخلاق پہلو ہے جو نہ صرف اسلام کی نظر میں مذموم ہے بلکہ جدید سماجی زندگی کیلئے بھی پُرخطر ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل نوع کی مثالیں دی جاسکتی ہیں:

بے حیائی اور فحاشی کا فروغ کہ چھپانے اور پردہ کرنے کی چیزیں تک عیاں نظر آتی ہیں۔

مردوں اور عورتوں کو ناجائز تعلقات کی طرف ترغیب، اس سلسلے میں جنسِ مخالف کے متعلق کچھ جاننے کے طریقے بتائے جاتے ہیں، پیار ومحبت اور جذباتی قسم کی فرضی داستانیں دکھائی جاتی ہیں۔ فلمیں، ڈرامے اور اسٹیج شو اس نوع کی مثالیں ہیں۔

غیر اخلاقی حرکتوں اور زنا کی ترغیب، یہاں تک کہ معاشرے میں بعض افراد عملاً ان حرکتوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ناچ گانا کی ترغیب کہ عملاً اس کی شبیہ ہر معاشرے میں نظر آتی ہے۔ یہاں تک کہ شادی بیاہ جیسے مقدس رشتے میں بھی اس ابلاغی صنف کا بھرپور مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

معاشرے کی اکثریت میں مزاحیہ پن مزاج کا پیدا ہونا کہ آخرت جیسے صحیح العقیدہ عمل کی پردہ پوشی کی جاسکے اور زندگی کو صرف ہنسی مذاق سمجھ کر آخرت کے مقدمہ سے اخراج کیا جاسکے۔

غیر حقیقی اور فرضی مناظر کی تشہیر، جادو کا استعمال، مستقبل کے متعلق پیش گوئیاں اور انبیاء سے منسوب ایسی باتوں کی تشہیر ہوتی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی توحید ووحدانیت سے ٹکراتی ہیں، آج کے مسلم ذرائع ابلاغ میں اس طرح کے پروگرامات عام دکھائے جاتے ہیں۔

غیر مسلم اقوام کی تہذیب وتمدن کی نمو جیسے ہندوؤں کے دیوتا دیوی، عیسائیوں کی صلیب، یہودیوں کا ستارہ وغیرہ کی تشہیر، اگرچہ بظاہر ان نشانات سے مسلم ریاست کے باسیوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن کہیں نہ کہیں کم سن اذہان اِن اثرات کو ضرور قبول کرتے ہیں اور نتیجے میں ایک اچھے مسلمان کے بجائے لبرلزم (آج کی مشہور اصطلاح میں روشن خیالی) کی طرف مائل مسلمان کا ظہور ہوتا ہے جو اسلامی ریاست کیلئے کارآمد بننے کے بجائے کمزور واقع ہوتا ہے۔

یہ چند اُمور ہیں جن کی نشاندہی کی گئی وگرنہ سینکڑوں ایسے اُمور ہیں جن کو بنیاد بنا کر ذرائع ابلاغ کی اہمیت وافادیت سے انکار کیا جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہ اسلامی ریاست کی رعایا کی اخلاقی حرمت کی بقاء کی خاطر جدید ذرائع ابلاغ کی مکمل نفی کی جاسکتی ہے۔ تاہم یہاں پر یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ کیا اسلامی رعایا کی اخلاقی قدریں اس قدر کمزور ہیں کہ وہ ذرائع ابلاغ کی ہلکی سی جنبش پر

زمین بوس ہو جائیں۔ اس کا جواب ہاں میں قطعاً نہیں دیا جاسکتا۔ مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کی بھرمار ہونے کے باوجود آج بھی مسلم سماج میں اسلامی اقدار کی پاسداری کی جاتی ہے۔ لوگ حرفِ آخر کے طور پر مذہبی تعلیمات کو ہی قبول کر لیتے ہیں۔ جدید ذرائع ابلاغ کے اثرات کو صرف اس حد تک قبول کیا جاسکتا ہے کہ وہ کم سن اذہان کو بہت حد تک خلافِ شرع بنا سکتے ہیں۔ البتہ اگر انہی ذرائع ابلاغ کو اسلام کی ترویج وتشہیر کیلئے استعمال میں لایا جائے تو پھر یہ عمل نہ صرف مستحسن ہے بلکہ دین اسلام کو عالمی سطح پر متعارف کرانے کا ایک سریع الاثر ذریعہ بھی بنے گا۔

اسلامی روشِ ابلاغ:

اسلام میں دعوت وتبلیغ واجبِ کفائی امر ہے۔ یہ زمان ومکان، رنگ ونسل، لسانی واقلیتی حدود وقیود سے آزاد رہ کر پوری انسانیت کی نجات کا دعویدار ہے۔ اسلام چونکہ کثیر الجہت تعلیمات کا حامل ہے اس لئے یہ خود کو عالمی ودائمی پیغام کی ترسیل کیلئے موزوں سمجھتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن اور اقوالِ پیغمبر اسلام ﷺ میں متعدد مثالیں موجود ہیں۔ اعلانِ بعثت کے اولین تجربہ میں تعلیم و تربیت کی نشاندہی کے بعد پیغمبر اسلام کو جو پہلا حکم دیا گیا وہ دعوت وتبلیغ کا تھا۔ (۱۰) جبکہ اس مہم ترین اُمر کی انجام دہی کیلئے قرآن جیسا دستور بھی فراہم کیا گیا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی جدوجہد اور قرآنی فرامین کی روشنی میں دعوت وتبلیغ کی اہمیت اِس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ اسلام کا ابتدائی مرحلہ سیکھنے کے عمل سے شروع ہوا اور اختتامی مرحلہ تبلیغ کے عمل سے مکمل ہوا۔ لفظ ''اقرأ'' سے شروع ہونے والا اسلام کا علمی اور لفظ ''بلّغ'' کے اختتامی تبلیغی حکم اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ابلاغی صنف ووصف کے اختراع میں اسلام نے کوتاہی نہیں برتی ہے۔ خصوصاً دوسری صدی ہجری کے اوائل سے لے کر اختتام تک مسلمانوں نے ابلاغی علوم کو بامِ عروج تک پہنچایا۔ (۱۱) لیکن چونکہ اُس زمانے میں یہ عمل صرف علمی فروغ کے طور پر ہوتا تھا لہٰذا جدید ابلاغی مناہج کی طرح ان کی شناخت ذرائع ابلاغ کے نام سے نہیں ہوئی۔

یہاں پر یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ صرف اسلام ہی دعوت وتبلیغ اور ابلاغیات کا موجد رہا ہے بلکہ اِس صنف کو پروان چڑھانے میں دنیا کی ہر قوم کا کردار رہا ہے۔ لہٰذا کسی ایک قوم کی طرف نسبت دینے کے بجائے ہم عمومیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرار دیں گے کہ جس دن انسان نے بولنا سیکھا وہ ابلاغی عمل کا آغاز تھا۔ ازل سے ہی انسان اور ابلاغ کا مستحکم رشتہ رہا ہے۔ جوں جوں سماجی زندگی میں نمو ہوئی ویسے ویسے مختلف شعبہ جات زندگی میں بھی جدت آنے لگی۔ یہ انسان ہی تھا جس نے ضروری (اصلاح کی غرض سے) اور مفاد پرستی دونوں صورت میں ابلاغ کو اپنی زندگی کا جزو بنالیا۔ ضروری اس لئے کہ انسان کی تعلیم وتربیت اور دینی جذبہ کی تکمیل ممکن ہو سکے، مفاد پرستی اس لئے کہ اپنی جائز وناجائز خواہشات (جن کا زیادہ تر تعلق ریاستی اُمور سے ہے) کی بجا آوری ہو سکے۔ اسلامی روشِ ابلاغ بھی انہی دو نکات کے ارد گرد گھومتی ہے، دینی تبلیغات کا تعلق مصلحانہ ابلاغ سے رہا کیونکہ دینی تعلیمات کی ترسیل دراصل اصلاحی عمل کی انجام دہی کیلئے کی جاتی ہے جبکہ ریاستی توسیع اور سلطنت کی بقاء جیسے اُمور کیلئے مفاد پرستانہ ابلاغ سے کام

لیا گیا۔ گویا اسلامی روشِ ابلاغ کی شناخت دو صورتوں میں کی جاسکتی ہے:

اول: مصلحانہ ابلاغ

دوئم: مفاد پرستانہ ابلاغ

مذہبی بنیادوں پر کیا جانے والا ابلاغ مصلحانہ ابلاغ کہلاتا ہے۔ اسلام کی ابتدائی زندگی پر ایک طائرانہ نظر دوڑائی جائے تو جابجا ابلاغ کے اعلیٰ نمونے بکثرت ملتے ہیں۔ مسجد نبوی کا وہ صحن جہاں پر پیغمبر اسلام ﷺ صحابہ کرامؓ کے جھرمٹ میں مسائل دینی و دنیاوی بیان فرمارہے ہیں اور صحابہ کرامؓ ہمہ تن گوش ہیں گویا ابلاغ کی عملی تفسیر دیکھائی جارہی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی خاص حکم کے نازل ہونے پر پیغمبر اسلام ﷺ کا تمام صحابہؓ کو فوراً مسجد میں بلوانا اور پھر خطبہ دینا اور بعد از اں مسئلہ کا بیان ابلاغی عمل کی کتنی خوبصورت تفسیر ہے۔ دوسری جانب ہم جب کلام عظیم کی جانب دیکھتے ہیں تو پورا کا پورا قرآن ابلاغی عمل کا بہترین نمونہ نظر آتا ہے۔ قرآن پاک میں جابجا اے میرے رسول (ﷺ)، اے ایمان والو، اے لوگو جیسے خطبات کا مقصد یہی ہے کہ انسان کو بیدار رکھا جائے اور ہر وقت کسی خاص پیغام کے وصول کیلئے تیار رکھا جائے۔ اسی طرح احادیث مبارکہ میں یہ طریقہ کار کہ ''میں نے فلاں سے سنا اُس نے فلاں صاحب سے سنا اور اُس صاحب نے فلاں سے سنا اور اُس نے پیغمبر اسلام ﷺ سے ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ...!'' یہ پہنچانے کا وہ بہترین اور صداقت پر مبنی طریقہ ہے جس کی مثال دنیا آج تک پیش نہ کرسکی اور اسی انداز سے صحافت نے اپنا طرز نگارش وضع کیا اور جدید ابلاغ کی شکل اختیار کرگئی۔

مفاد پرستانہ ابلاغ کو خواہشات کی تکمیل کیلئے انجام دیا جانے والا عمل کہہ سکتے ہیں۔ خاص طور پر اگر ماضی کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ عمل حکمران، سلطان یا بادشاہ اپنی حکومت کی بقاء کیلئے مختلف پیغامات ''حکم'' کی صورت میں اپنی رعایا پر نافذ کرتے تھے۔ جبکہ حکومت کے خلاف کسی بھی سازش کے سدّ باب کیلئے سلطنت کے مختلف شہروں اور علاقوں پران کے وقائع نگار تعینات ہوتے تھے جو وہاں کے حالات اور خبروں سے بادشاہ وقت کو آگاہ کرتے تھے۔ (۱۲) گویا وقائع نگار اپنی ملازمت کے پیش نظر یہ ابلاغ کرنے پر مجبور تھے جبکہ بادشاہ اپنی حکومت کو دوام دینے کیلئے مفاد پرستانہ ابلاغ کے محتاج تھے۔ اسلامی روشِ ابلاغ کی مختصراً نشاندہی کے بعد ہم اب عصری روش کا تذکرہ کریں گے تاکہ موضوع بحث کی جامعیت واضح طور پر سامنے آئے۔

ذرائع ابلاغ کی عصری روش:

ذرائع ابلاغ کے نئے روپ (اِتہام والزام) کا مشاہدہ بظاہر ۹-۱۱ واقعہ کے بعد ہوا۔ مجمل انداز میں اس واقعہ کی پوری ذمہ داری ایک قوم (مسلم اُمہ) کے اوپر ڈالی گئی جس کا لامحالہ مقصد بدنامی اور کردار کشی کے سوا کچھ نہ تھا۔ جیسا کہ اکثر مسلمان مفکرین اور دانشور حضرات بھی یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ چند گمراہ کن افراد کے اس قبیح فعل کی توجیح پوری اُمت مسلمہ کے مجموعی کردار میں ڈھونڈنے کی سازش کی گئی، یہاں تک کہ ایک عالمی طاقت بزعم خود یہ فیصلہ کربیٹھی کہ ہونہ ہو اس واقعہ کے تانے بانے مسلمانوں سے

ملتے ہیں۔ عملی وفکری دو طرح کے اقدامات کے ذریعے اس واقعہ کی حقانیت ثابت کرنے کی پوری کوشش ہوئی۔ عملی اقدام عراق اور افغانستان پر حملے کی صورت میں ظاہر ہوا جبکہ فکری اقدام ذرائع ابلاغ کے ذریعے اٹھایا گیا۔

بحث کو مزید آگے بڑھانے سے قبل مسلم دنیا کی عصری جغرافیائی حیثیت بیان کرتے ہوئے اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ۹-۱۱ واقعہ کے بعد ذرائع ابلاغ کی یکطرفہ ذمہ داری صرف مسلم اُمہ کے حوالہ سے نظر آئی۔

فی زمانہ جغرافیائی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو اس وقت پوری دنیا میں ستاون ممالک ایسے ہیں جہاں پر مسلمان اکثریت کے طور پر بستے ہیں اور انہی کی حکومتیں قائم ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر ایک حوصلہ افزاء رپورٹ کے مطابق دنیا کا ہر چوتھا شخص مسلمان ہے۔(۱۳) دوسری جانب براعظموں کے اعتبار سے مسلمانوں کی تعداد افریقہ سے لے کر ایشیاء تک اور امریکہ سے لے کر آسٹریلیا تک ہر جگہ کثرت سے نظر آتی ہے۔ جبکہ مغربی ممالک میں اسلام کی حیثیت دو صورتوں میں تعین کی جاسکتی ہے:

اسلام بطور جلد سرایت کرجانے والا مذہب:

۹-۱۱ واقعہ کے بعد مغربی ممالک میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں خاصا اضافہ دیکھنے میں آیا۔ ان ممالک میں مسلم آبادی کا سب سے زیادہ تناسب فرانس میں ہے اور اب بھی روز افزوں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔(۱۴)

اکیسویں صدی میں وقوع پذیر ہونے والی اس مثبت تبدیلی کو مسلمانوں کیلئے خوش آئند قرار دیا جاسکتا ہے۔ ذرائع ابلاغ کی معاندانہ روش کی موجودگی میں مغربی عوام کا رجحان اسلام کی طرف ہونا حیرت انگیز امر تھا۔ ایک طرح سے ذرائع ابلاغ کی تیز و تند روش نے خود اسلام کی ترسیل کا راستہ فراہم کر دیا۔ دیگر تمام منفی کردار کے باوجود اس معاملے میں ذرائع ابلاغ کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہوگی حالانکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ذرائع ابلاغ کا یہ اقدام اسلام سے ہمدردی کی بناء پر نہ تھا بلکہ ''جھوٹ کو اس قدر بار بار دہراؤ کہ وہ سچ ثابت ہونے لگے'' کے مصداق اسلام کی منفی تشہیر تھی۔ یہ روش اسلام کے حق میں بارآور بھی ثابت ہوئی اور نقصان کا باعث بھی بنی۔ بارآور اس لئے کہ بار بار کے تذکرے نے مغربی عوام کو تجسس میں مبتلا کر دیا کہ آخر یہ مذہب کس قسم کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ جس قسم کی تشہیری مہم جاری تھی اس کی تصدیق یا مزید نفرت کے اظہار کیلئے اسلامی تعلیمات کی طرف متوجہ ہوئے کئی ایک مغربی افراد نے جب دیکھا کہ معاملہ اس کے برعکس ہے جس کا اظہار میڈیا کرتا ہے تو انہوں نے اسلام کو ایک معتدل اور جامع مذہب کے طور پر پایا۔ نقصان کا اندازہ مسلم ریاستوں میں جاری دہشت گردانہ واقعات سے لگایا جاسکتا ہے۔ عراق اور افغانستان میں جاری قتل و غارت گری کے بعد قوی اُمید تھی کہ یہ سلسلہ اب تھم جائے گا لیکن معاملہ اس کے برعکس رہا۔ دہشت گردی کے نام پر شام میں بھی قتل و غارت گری شروع ہوگئی جبکہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی وقتاً فوقتاً کبھی انقلاب کے نام پر، کبھی شریعت کے نام پر اور کبھی خلافت کے نام پر شورشیں جاری رہتیں ہیں۔ عرب انقلابات اس کی زندہ مثال ہے۔ ان واقعات کے پس پردہ سب سے زیادہ بھیانک تصویر مغربی دانشوروں کے

تبصرے اور تجزیئے ہیں۔ خود ساختہ سروے اور نام و نہاد اظہارِ رائے کی آزادی کی آڑ میں مسلم ریاستوں کی قسمت کے فیصلے بھی کئے جاتے ہیں۔ لامحالہ آج کی مسلم ریاستوں کا سب سے بڑا اور طاقت ور حریف جدید ذرائع ابلاغ ہیں جس نے نہ صرف آج کی مسلم ریاستوں کو باقی ماندہ دنیا کے سامنے لا کھڑا کیا ہے بلکہ اندرون ملک مذہبی، مسلکی، لسانی اور سیاسی خلفشار کا شکار بھی بنا دیا ہے۔

اسلام کی شناخت بطور شدت پسند مذہب:

فی زمانہ اس کا سبب بھی ۹-۱۱ واقعہ ہے۔ چونکہ بظاہر ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملہ کرنے والوں کا تعلق مسلمانوں سے جوڑا جاتا ہے لہٰذا مغربی خفیہ ایجنسیز کے کارندے ذرائع ابلاغ کے ذریعے سادہ لوح عوام کو کسی حد تک یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ چونکہ اس واقعہ میں براہ راست مسلمان ملوث ہیں لہٰذا اسلام لوگوں کو شدت پسندی سکھاتا ہے اور یہ پروپیگنڈا مسلمانوں کیلئے کوئی اچھا پیغام لے کر نہیں آیا۔ ہر جگہ، ہر قوم کو مسلمان دہشت گرد نظر آنے لگے اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا گیا۔ خاص طور پر کلام عظیم قرآن مجید کی وہ تمام آیتیں جو جہاد سے متعلق ہیں ان کی جانب انگلیاں اٹھائیں گئیں اور یہ تاثر دیا جانے لگا کہ خود مسلمانوں کے کلام عظیم میں اس طرح کی ہدایات ہیں کہ مسلمانوں کے سوا کسی کو بھی قتل کرنا جائز ہے لہٰذا اسلام میں شدت پسندی ہے۔ یہ پہلو مسلمانوں کیلئے انتہائی منفی ثابت ہوا اور کئی مسلمان ممالک میں دہشت گردی کی وارداتوں میں اضافہ دیکھنے میں آیا۔ افغانستان اور عراق پر حملہ کیا گیا۔ جبکہ پاکستان بالواسطہ طور پر ان دہشت گردانہ حملوں کی زد میں رہا اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ لہٰذا ''۹-۱۱'' کو اکیسویں صدی کا سب سے بڑا پروپیگنڈا (بے گناہ جانوں کے ضیاع پر افسوس کے ساتھ) یا مسلمانوں کے خلاف گہری سازش قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہ پروپیگنڈا ہی تھا جس کی وجہ سے مسلم اُمہ کی مجموعی حیثیت دگرگوں نظر آنے لگی اور اس کیلئے جس پہلو کو سب سے زیادہ استعمال کیا گیا وہ ''ابلاغی پہلو'' تھا۔ (۱۵) مغربی حکمران اس سے پہلے جنگ عظیم دوئم میں بھی اس طرح کے ذرائع استعمال کر چکے تھے۔ (۱۶) لہٰذا اپنے وسیع تجربات کی بنیاد پر یہ ہتھکنڈے مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے لگے۔ یہی وجہ تھی کہ ۹-۱۱ واقعہ کے فوراً بعد مشہور مغربی ذرائع ابلاغ سی این این، بی بی سی، فوکس چینل، اسکائی نیوز، نیویارک ٹائمز و دیگر چینلز اور اخبارات نے پہلی فرصت میں اس کا الزام مسلمانوں کے سر تھوپ دیا (۱۷) جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم اُمہ ایک فریق کی حیثیت سے نمودار ہوئی جبکہ کئی جگہوں پر براہ راست ان کی عبادت گاہوں پر حملے ہونے لگے۔ ان عبادت گاہوں پر حملے فوری ردِعمل کا نتیجہ تھے تاہم دور رس نتائج افغانستان اور عراق پر حملوں کی صورت میں ظاہر ہوئے جبکہ پاکستان سمیت مشرقِ وسطیٰ کی بگڑتی صورت حال اس کے علاوہ ہے۔ اس دوران مسلم اُمہ نہ صرف اپنی مرکزی مجموعی حیثیت کو بچانے میں ناکام نظر آئی بلکہ کئی مسلم ممالک کے عوام نے بھی ۹-۱۱ کے واقعہ کو اسی نظر سے دیکھا جس نظر سے مغربی ممالک نے دیکھا تھا اور اس کی سب سے بڑی وجہ مغربی ذرائع ابلاغ کا پروپیگنڈا تھا جبکہ دوسری جانب مسلمانوں کا دوسرے تمام شعبوں کی طرح اس شعبے یعنی ''ابلاغی پہلو'' میں بھی کمزور کردار نظر آیا اور مسلمانوں نے ۹-۱۱ کے واقعہ کے تناظر میں الزام در الزامات کا مسکت جواب دینے کے بجائے خاموشی کو حالات کا تقاضا سمجھا۔

یہاں پر ایک اہم نکتے کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ جدید دنیا میں مسلمان دانشوروں کا ایک طبقہ اس خام وخیال میں ہے کہ ذرائع ابلاغ صرف اسلام کی تبلیغ کریں تو ان کے استعمال کا جواز نکل سکتا ہے وگرنہ ان کی حرمت باقی رہے گی۔ یہ نکتہ نظر اس وقت درست ہوسکتا ہے جب ذرائع ابلاغ اسلام اور مسلمانوں کی طرف ملتفت نہ ہوں یا اسلام کے بارے میں بحث ومباحثہ نہ کریں لیکن جب ذرائع ابلاغ اسلام کے بارے میں ''معلّمانہ'' گفتگو کریں اور فیصلہ سازی جیسی قوت حاصل کریں تو پھر ان کے استعمال کی صورت کیا ہوسکتی ہے؟ یہ بحث ومباحثہ جو ذرائع ابلاغ میں زوروں پر ہو اگر پروپیگنڈہ کی شکل اختیار کرے تو پھر جواز یا عدم جواز کا انتظار کیا جائے گا؟ اس کا جواب ہاں میں قطعاً نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ مشاہدات ہمارے سامنے ہیں۔ جب ذرائع ابلاغ گستاخانہ حد تک اسلام اور شعائر اسلام کے بارے میں گفتگو کریں اور اسلامی ریاست کے باسی جواز اور عدمِ جواز کی آڑ میں کاہلی اور سستی کے مرتکب ہوں تو نتیجتاً اس کا خمیازہ اسلام اور مسلمانوں کو ہی بھگتنا ہوگا۔ عصری دنیا میں قطع نظر اس کے برقیاتی ابلاغ (Electronic Media) یا مطبوعاتی ابلاغ (Print Media) کے ذریعے اسلام کی تبلیغ ہوتی ہے اور ان تبلیغات سے کتنے لوگ اسلام کی طرف راغب ہوئے، دفاعی نقطہ نظر سے ذرائع ابلاغ سے استفادہ کا جواز نکالنا ہوگا کیونکہ آج کے مسابقتی دور میں ان ذرائع ابلاغ سے چشم پوشی بالکل بھی نہیں کی جاسکتی خاص طور پر جب پوری دنیا میں اِس کی اہمیت بجا طور پر تسلیم کی جاچکی ہو۔ جس طرح ''میڈیا وار'' ماحول کو مسلسل پروان چڑھایا جارہا ہے اِس کے حساب سے نہ صرف ذرائع ابلاغ کی اہمیت وضرورت میں اضافہ ہو رہا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اِن کا استعمال فرضیت کی حد تک چلا گیا ہے۔ وہ دور نہیں رہا جب پہنچانے کا عمل چند مخصوص لوگوں، گروہوں اور مجمعوں تک محدود تھا۔ دنیا اب گلوبل ویلیج کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ پل بھر میں سینکڑوں میل دور رونما ہونے والے واقعات کو دنیا میں کہیں بھی دیکھا اور سنا جاسکتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ ان واقعات کو دیکھنے اور سننے کا موقع مل رہا ہے بلکہ دیگر کئی پہلوؤں سے معلوماتی اور علمی اضافے کے اسباب بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ لہٰذا ایک خود مختار ملک خاص طور پر اسلامی ریاست کو جہاں دفاعی، معاشی اور سیاسی اعتبار سے مستحکم ہونا ضروری ہے وہی ذرائع ابلاغ سے بھی مضبوط رشتہ استوار کرنا جدید حالات کا تقاضا ہے۔ لحہ بہ لحہ بدلتی صورت حال کے باوجود جو ممالک ذرائع ابلاغ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے وہ نہ صرف داخلی اعتبار سے متزلزل رہتے ہیں بلکہ بیرون دنیا میں بھی اُن کی حیثیت صاحبِ اختیار نہیں ہوتی۔ دوسری جانب عالمی گلوبلائزیشن کے تناظر میں یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ اب ذرائع ابلاغ کا مفہوم بلاغت سے بڑھ کر علمیت اور تحقیق کی سطح تک پہنچ گیا ہے۔ دنیا جہاں میں ہونے والی علمی وسائنسی تحقیقات سے آگاہی میڈیا کے ذریعے ہی ہوتی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ذرائع ابلاغ سے حاصل ہونے والی اِن تمام سہولیات کی موجودگی میں اس بات کو مدنظر رکھ کر کہ میڈیا معاشرے کے بگاڑ کا سبب رہا ہے، ان سے منہ موڑا جائے۔ متحقق اشیاء کی طلبی کا حکم اسلام روز اول سے ہی دے چکا ہے اور اسی حکم کی روشنی میں حکمت مومن کی گمشدہ میراث قرار پائی۔ لہٰذا آج کے دور میں گمشدہ میراث کا حصول میڈیا سے زیادہ کہاں سے حاصل ہوسکتا ہے۔

چونکہ ان تمام معاملات میں چاہے وہ سیاسی ہوں، معاشی ہوں، مذہبی ہوں یا قومی ذرائع ابلاغ کا جاندار پہلو نمایاں طور پر

نظر آ رہا ہے۔ خاص طور پر دہشت گردی جیسے عنوانات جو ذرائع ابلاغ کی چھتری تلے وضع کئے گئے ہیں کو مسلمانوں سے منسوب کر کے یکطرفہ فیصلے کا استحقاق صرف اس لئے حاصل کیا گیا کہ چند شدت پسند "مسلمان" ۹-۱۱ واقعہ میں ملوث تھے۔ جبکہ ذرائع ابلاغ کی مسلسل پروپیگنڈہ تشہیر بھی اس مہم کا حصہ بنی۔ لہٰذا ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ان سنگین الزامات کے نتیجے میں مسلم اُمہ مصائب و مشکلات اور ناپسندیدہ فریق کی حیثیت سے دنیا کے سامنے ظاہر ہوئی۔ دیکھا جائے تو اس تمام منظر نامے میں ذرائع ابلاغ نے کلیدی کردار ادا کیا۔ چونکہ یہ تمام ذرائع ان ممالک کے زیر تسلط ہیں جو بذات خود دہشت گردی کے حوالے سے مسلمانوں کو قصوروار سمجھتے ہیں۔ پھر ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ غیر جانبداری کا مظاہرہ کریں گے تو یہ خام خیالی ہوگی اور مخالفین کو نفسیاتی برتری فراہم کرنے کی ایک اور وجہ بھی بنے گی۔ جدید اسلامی ریاست میں رائج ذرائع ابلاغ کو پوری فعالیت کے ساتھ مخالفین کے ابلاغی اداروں سے مسابقت کو اپنے روزانہ کے معمول میں شریک سمجھنا ہوگا۔ صرف تفریحی پروگرام اور موسیقی کی نشریات کے بجائے عمومی مسائل جیسے سیاست، معیشت، صنعت و حرفت، علوم و فنون جیسے موضوعات کو ترجیحی دینی ہوگی۔

حوالہ جات

(۱) زمانہ جاہلیت میں عکاظ، مجنۃ اور ذوالمجاز عرب کے بڑے بازار ہوا کرتے تھے۔ خاص طور پر عکاظ بازار اپنی اہمیت کے اعتبار سے کافی منفرد تھا۔ تجارتی و ادبی اہمیت کے علاوہ سالانہ میلوں کی صورت میں ایک تفریحی مقام کی سی اہمیت حاصل تھی۔ ہر سال ذی القعدہ کے وسط میں اطرافِ قریش کے قبائل جیسے بنی ہوازن، بنی غطفان، بنی اسلم، احابیش، بنی مصطلق بازار عکاظ میں جمع ہوتے تھے۔ جس وقت کفار قریش رسول خدا (ﷺ) کی تبلیغ میں رکاوٹیں ڈالتے تھے، آپ (ﷺ) حرام مہینوں سے استفادہ کرتے تھے اور عکاظ اور ذی المجاز جیسے بازاروں میں حاضر ہو کر لوگوں کو دین کی طرف دعوت دیتے تھے۔ بحوالہ: الحمیری، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ، الروض المعطار فی خبر الأقطار، ج ۱، موسسۃ ناصر للثقافۃ، بیروت، ۱۹۸۰ء، ص: ۴۱۱

(۲) ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک، سیرۃ النبی، ج ۴، دار الصحابہ للتراث بطنطا، جامعۃ الازہر، ۱۹۹۵ء، ص: ۲۴۱

(۳) واقدی، احمد بن عمر بن، کتاب المغازی، ج ۳، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۴ھ بمطابق ۱۹۸۴ء، ص: ۹۹۰

(۴) علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج ۱، آر۔ زیڈ پیکجز، لاہور، ۱۴۰۸ء، ص: ۱۲۵

(۵) ابن اثیر، عزالدین، أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج ۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۷ھ بمطابق ۱۹۹۶ء، ص: ۲۹۲، ۳۹۳

(۶) الذہبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء، ج ۵، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۷ھ، بمطابق ۱۹۹۶ء، ص: ۱۲۰

(۷) مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ، خلافت و ملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۴۲۶ھ، ص: ۱۴۷

(۸) مثال کے طور پر عباسی خلیفہ مامون الرشید کے دور میں ساری دنیا کا سامان عیش و عشرت، اہل کمال، صناع و مغنی، غلام، باندیاں، مصاحب و شاعر خوش باش و خوش فکر سمٹ کر بغداد میں آ گئے تھے۔ بحوالہ:

ندوی، سید ابوالحسن علی حسنی، تاریخ دعوت و عزیمت (حصہ اول) مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنو، ۲۰۰۶ء، ص: ۷۰

(۹) عباسی خلیفہ مامون الرشید کا دور اس حوالے سے سب سے زیادہ شاندار رہا۔ انہوں نے اپنے دور حکومت میں علوم و فنون کی سرپرستی کی، رصدگاہوں کی تعمیرات، اعلیٰ درجے کے کتب خانے، ادب، سائنس اور فلسفے کی کتابوں کا ترجمہ ان کے شاندار کارنامے ہیں۔ اپنے دور حکومت میں انہوں نے "بیت الحکمت" نامی ایک ادارہ قائم کر کے اس میں مختلف زبانوں کے نامی گرامی حکماء فلاسفہ، اطباء، منجمین، مہندسین، کیمیا داں، اور ریاضی داں جمع کئے جنہوں نے حکمت، فلسفہ، علم نجوم، وہندسہ اور علم کیمیاء اور ریاضی کے گزشتہ کارناموں پر غیر معمولی اضافہ کیا اور جہاں مختلف زبانوں سے عربی میں ترجمے اور اختراع و انکشاف کے مختلف کارہائے نمایاں انجام دیئے جاتے تھے۔ قیصر روم سے ارسطو کی کتابیں جو پانچ اونٹوں پر لادی گئیں تھیں منگوائیں۔ ان کتابوں کے ترجمے کے لئے یعقوب ابن اسحاق جیسے دانشور کو ترجمہ پر مامور کیا۔ بلادِ روم و یونان کے علمی ورثے کی منتقلی کے لئے باضابطہ علماء بھیج دیئے تاکہ وہاں سے علوم و فنون کی کتابیں لائی جاسکیں، اسی طرح مجوسی علماء کو بڑی بڑی پیش قرار تنخواہوں پر نوکر رکھ کر مجوسیوں کے علوم و فنون کے ترجمہ کی خدمت سپرد کی۔ ہندوستان کے راجاؤں کو معلوم ہوا تو انہوں نے مامون الرشید کی خدمت میں سنسکرت کے عالموں اور بڑے بڑے پنڈتوں کو بطور تحفہ بھیج کر خلیفہ کی خوشنودی حاصل کی۔ بیت الحکمت کے مشہور مترجمین میں یعقوب کندی، حنین بن اسحاق، قسطا بن لوقا بعلبکی، ابوجعفر یحییٰ بن عدی جبرئیل بن بختشیوع وغیرہ شامل ہیں۔ بحوالہ:

ولیم ایل لینگر، انسائیکلو پیڈیا تاریخ عام، (مترجم: مولانا غلام رسول مہر)، ج ۱، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص: ۳۸، ۴۰، ۴۲

نجیب آبادی، مولانا اکبر شاہ، تاریخ اسلام، ج ۲، مکتبہ خلیل، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص: ۳۷۱، ۳۷۲

(۱۰) "وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ، اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سنا دو" [سورہ شعراء، آیت: ۲۱۴]

(۱۱) مسلمانوں نے باقاعدہ علمی روش کا اظہار دوسری صدی ہجری کے آغاز میں کیا۔ اگرچہ خود پیغمبر اسلام ﷺ تعلیم و تعلم کے سب سے بڑے داعی اور موجد تھے تاہم محدود وقت اور ذمہ داری کے بے تحاشہ حجم نے آپ ﷺ کی راہیں مسدود کر رکھیں۔ جہاں آپ نے دین کی اشاعت میں موثر کردار ادا کیا وہی ریاستی اُمور کی دیکھ بھال اور نو آمیز ریاست کی دفاع آپ ﷺ کے ذمہ تھی۔ لیکن اس کے باوجود ایک بڑے طبقہ کو باشعور اور دُنیا کی رہبری کے لئے تیار کرنا آپ کی جملہ صفات میں سے ایک بہترین صفت ہے۔ خلفائے راشدین کے ادوار میں بھی تعلیمی و ابلاغی روش کا مسلسل اظہار ہوتا رہا۔ اگرچہ تحریری روش کا اظہار ہم خال خال ہی پاتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید کی تدوین یا مختلف ممالک کے سربراہان کے نام لکھے گئے خطوط بطور مثال پیش کئے جاسکتے ہیں۔ دوسری صدی ہجری کے آغاز میں تدوین حدیث کی بنیاد پڑ گئی یہی وہ زمانہ ہے جس میں مسلمانوں نے تحریر کو باقاعدہ اپنے روزمرہ کے اُمور میں شامل کرلیا۔ خلیفہ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم پر احادیث پیغمبر ﷺ ضبط تحریر میں لائی گئیں۔ یہ روش جہاں علم کے تدریجی عمل کی نشاندہی کرتی ہے وہی ابلاغ کو مسلمانوں کی عمومی زندگی کے لئے جزولاینفک کے طور پر پیش کرتی ہے۔ حدیثیں لکھی گئیں، مسلمانوں کا علمی و ابلاغی اظہار تھا، علم کلام پر بحث و مباحثہ رائج الوقت ابلاغ عمل کا خوبصورت نظارہ تھا، علم فقہ کی باریکیاں سامنے آئیں، فکری بلوغت کا اظہار تھا، غرض یہ کہ مسلمانوں کا علمی کارنامہ دراصل رائج الوقت ذرائع ابلاغ پر پوری طرح حاوی تھا۔

(۱۲) ہندوستانی بادشاہوں نے خبر رسانی کی اہمیت کو اس حد تک محسوس کرلیا تھا کہ ہر ضلع میں ایک اخبار نویس ضرور مقرر کیا جاتا تھا جس کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے علاقے کے حالات سے بادشاہ اور اس کے وزیروں کو بے کم وکاست اطلاع دیا کرے۔ بحوالہ:
صدیقی، محمد عتیق، ہندوستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ، ۱۹۵۷ء، ص ۲۵

(۱۳) Michael Lipka and Conrad Hackett, "Why Muslims are the world's fastest-growing religious group", Pew Research Center, Retrieved on April, 23, 2015

(۱۴) معروف امریکی ادارہ پیو ریسرچ (Pew Research Center) کے مطابق "یورپ میں سب سے زیادہ مسلمان فرانس میں بستے ہیں۔ ان میں سے اکثریت کا تعلق شمالی افریقہ کی مسلم ریاستوں اور ترکی سے ہے۔ اگلے بیس سال میں فرانس میں بسنے والے مسلمانوں کی تعداد 9.6 ملین، برطانیہ میں 5 اعشاریہ 6 ملین، جرمنی میں 5 اعشاریہ پانچ ملین تک پہنچنے کا امکان ہے۔"
"The Future of the Global Muslim Population", Retrieved on October 08, 2009, http://www..pewforum.org

(۱۵) جامعۃ الازہر سوشل سائنسز کے پروفیسر ڈاکٹر سید مرعی کے مطابق دنیا میں دس ہزار سے بھی زیادہ ایسی ویب سائٹیں سرگرم عمل ہیں جو دین مبین اسلام کو مخدوش کرنے اور اس آسمانی دین کے خلاف یلغار کا اہتمام کر رہی ہیں۔ ان ویب سائٹس کے مالکان نے اسلام پر یلغار کرنے کے لئے ایک ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کی ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں صرف دوسو ویب سائٹس ایسی ہیں جو سنجیدگی کے ساتھ اسلام اور اس کی تعلیمات کی تبلیغ و ترویج کر رہی ہیں۔

(http://www.moheet.com....http://www.portal.tebyan.net, retrieved on March 14, 2010)

(۱۶) جیسا کہ جرمن نازی کے وزیر نشریات جوزف گوئبلز (Joseph Goebbels) جن کا شمار پروپیگنڈہ تشہیر کے جدید خالقوں میں ہوتا ہے، کا یہ ادراک تھا کہ جرمن انقلاب کے پس پردہ ذرائع ابلاغ کا ہی عمل دخل تھا۔ اپنی ایک مشہور تقریر "Eighth Great Power" (طاقت کا آٹھواں سرچشمہ) میں انہوں نے کہا تھا:

It is no exaggeration to say that the German revolution, at least in the form it took, would

have been impossible without the airplane and the radio...I consider radio to be the most modern and the most crucial instrument for influencing the masses..

یہ کہنا مبالغہ آرائی نہیں کہ جرمن انقلاب کا موجودہ شکل میں معرضِ وجود میں آنا اگر ممکن ہوا ہے تو اس کے پس پردہ ریڈیو اور ہوائی جہاز کا کردار ہے... میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ ریڈیو جدید دور کا ایک طاقت ور اور اہمیت کا حامل آلہ ہے جس کے اثرات عوام میں بہت زیادہ گہرے پائے جاتے ہیں۔ بحوالہ:

Jane Elizabeth Cody (2013), "Birthing Eternity: A Different Perspective on the Four Horsemen of Revelation", WestBow Press, United States of America, Pg:155

Stephen J. Lee (1996), Weimar and Nazi Germany, Heinemann Educationl, Halley Court, Jordan, Hill, Oxford Pg:45

(۱۷) جیسا کہ اس واقعہ کے فوراً بعد دُنیا بھر کے میڈیا نے مسلمانوں خاص کر اسلامی تعلیمات کو آڑے ہاتھوں لے لیا، تبصرے، تجزیئے اور ذاتی آراء پر مبنی یہ کہانیاں بجا طور پر مسلمانوں کے خلاف ثابت ہوئیں۔ اس سلسلے میں ۲۰۰۱ء کے اخبارات کی شہ سرخیاں اور ٹیلی ویژن چینل کی اہم خبریں بطور مثال پیش کی جاسکتی ہیں۔ اس کے علاوہ خود مسلمان ممالک کے ٹی وی چینلز، اخبارات اور ریڈیو وغیرہ بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ اس وقت کا ماحول بجا طور پر مسلمانوں کے خلاف تھا، اسلامی تعلیمات کو ہدفِ تنقید بنایا گیا، جبکہ ۲۰۰۵ء میں گستاخانہ خاکے بھی اس نوع کی واضح ترین مثالیں ہیں۔